دنیا اور آخرت کی حقیقت

قرآن کریم کی روشنی میں

عتیق احمد شفیق اصلاحی

قرآن حکیم جب کسی چیز کا ذکر کرتا ہے تو اس کی تفہیم کے لیے اس کے مدمقابل اور جوڑے کا ذکر ضرور کرتا ہے مثلاً دنیا و آخرت، روشنی و تاریکی، دن و رات، سورج و چاند، زمین و آسمان، مرد و عورت وغیرہ۔ قرآن کریم میں لفظ دنیا ۱۱۵ بار استعمال ہوا ہے۔ اس کے مقابل میں قرآن نے آخرت کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اس کا بھی ذکر اتنی ہی بار آیا ہے۔ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے ایک مقصد کے تحت پیدا کیا ہے اور اس کا بدیہی تقاضا ہے کہ آخرت بھی ضرور ہو۔ کیونکہ آخرت کے تصور کے بغیر دنیا کا وجود بے مقصد ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس دنیا کے بنانے والے کی بے پناہ طاقت و قوت کو تسلیم کر لینے کے باوجود اگر آخرت کو تسلیم نہ کیا جائے تو تخلیق دنیا کی حکمت سمجھ میں نہیں آتی جبکہ خالق کائنات حکیم و دانا ہے اور اس کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ (احقاف/۳۰)

ہم نے زمین اور آسمان کو اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں برحق اور ایک مدتِ خاص کے تعین کے ساتھ پیدا کیا ہے مگر کافر لوگ اس حقیقت سے منہ موڑے ہوئے ہیں

قرآن حکیم دنیا کو چند روزہ اور یہاں کی آسائش کو حقیر قرار دیتا ہے۔ جب کہ آخرت کو مستقل جائے قرار اور وہاں کی آرائش و راحت کو دائمی بتاتا ہے۔

دنیوی زندگی کے تمام معاملات میں انسان دو اصولوں میں سے ایک پر عمل

کرتا ہے۔ وہ کسی بھی کام کو انجام دینے سے قبل سب سے پہلے اسے فلاح وخسران، کامیابی اور ناکامیابی، فائدہ ونقصان کے اصول پر پرکھتا ہے چنانچہ جو کام بھی کرتا ہے اس کے سلسلے میں ترجیح کے اصول کو سامنے رکھتا ہے۔

اس کے برخلاف قرآن مجید انسانوں کے سامنے یکسر مختلف معیار ترجیح پیش کرتا ہے۔ اس اصول ترجیح کے مطابق کسی کام کو کرنے سے پہلے اسے نفع اور نقصان کے ترازو میں نہیں تولا جاتا بلکہ اسے فلاح وخسران اور نجات وہلاکت کے معیار پر پرکھا جاتا ہے واقعہ یہ ہے کہ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا کوئی مقصد ہوتا ہے۔ بغیر مقصد کے کوئی کام انجام نہیں پاسکتا۔ جتنا اعلیٰ مقصد ہوگا، جتنا زیادہ مقصد کا شعور ہوگا اس کے حصول کے لئے اتنی ہی محنت سرگرمی اور دلچسپی کا اظہار ہوگا۔

ایک مومن کا مقصد زندگی جنت اور رضاء الٰہی ہونا چاہئے اور اس کی ساری دوڑ دھوپ اور تگ ودو کا محور اس مقصد کا حصول ہونا چاہئے۔ اسے ہر لحہ خدا کی ناراضگی اور اس کے نتیجہ میں ملنے والی سزا سے بچنے کی فکر دامن گیر رہنی چاہئے۔ جہاں تک عقیدہ اور زبانی اقرار کا معاملہ ہے تو ہم سب اس کو مانتے اور اس کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر عملاً ہم اس پر کھرے نہیں اترتے۔ ہم بھی دنیا کی رنگینی میں گم ہوجاتے ہیں۔ اور ہماری دن ورات کی ساری دوڑ دھوپ صرف اور صرف اس لیے ہوتی ہے کہ ہم دنیاوی پیمانے کے مطابق معیاری زندگی گذار سکیں اور ہمیں دنیا کی آرائش اور زیبائش کے سارے لوازمات مہیا ہوجائیں۔ اس فکر میں ہم ایسے محو ہوجاتے ہیں کہ اصل مقصد زندگی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا ہے اور آخرت اور اس میں جواب دہی کا احساس ماند پڑجاتا ہے بلکہ بعض اوقات یکسر ختم ہوجاتا ہے۔

اس دنیا کی کیا حقیقت ہے۔ اس کے مال ومتاع کو کیا حیثیت حاصل ہے۔ اس کے مقابلے آخرت کی حقیت کیا ہے۔ اور وہاں انسان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ ان سوالات پر ہم سنجیدگی سے کم ہی غور کرتے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اس موضوع کو سمجھنے کی ایک چھوٹی سی کوشش ہے۔

دنیا کا وجود ایک خاص مقصد کے پیش نظر ہوا اور اس کو نیلگوں آسمان، سورج، چاند، ستاروں، اور زمین کو پائیدار و رنگ برنگ پہاڑوں، مختلف نباتات، جمادات، پیڑ پودوں سے مزین کرنے کے پیچھے بھی ایک خاص مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء/۱۶۔۱۷)

ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور جو کچھ بھی ان میں ہے۔ کچھ کھیل کے طور پر نہیں بنایا ہے۔ اگر کوئی کھلونا بنانا چاہتے اور بس یہی کچھ ہمیں کرنا ہوتا۔ تو اپنے ہی پاس کر لیتے

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الکہف/۷)

واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سروسامان بھی زمین پر ہے، اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

خالق کائنات نے دنیا کو اس لیے وجود بخشا کہ اس میں انسان کی تخلیق کی جائے اور اس کو مختلف طرح کی قوتوں اور صلاحیتوں سے نواز کر اس کی آزمائش کی جائے گویا دنیا کو انسان کے لئے اور انسان کو آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس طرح انسان کے لیے دنیا کی حیثیت دارالامتحان کی ٹھہری۔

الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک/۲)

جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

انسان کی موت اور زندگی کا سلسلہ یونہی بلا مقصد نہیں چل رہا ہے۔ بلکہ اللہ نے ان دونوں چیزوں کی تخلیق ایک عظیم مصلحت سے کی ہے اور وہ یہ کہ انسان دنیا میں

امتحان کی زندگی گذارے۔اس کو آزمائش کی بھٹی میں تپایا جائے،اس کو نیک وبد اور خیروشر کی پوری آزادی دے کر دیکھا جائے کہ ان میں کون اچھے اعمال کرتا ہے۔عدم کے بعد زندگی دنیا،زندگی کے بعد موت اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی زندگی اور موت دونوں بامقصد ہیں۔زندگی کا مقصد امتحان ہے اور موت کا مقصد یہ ہے کہ مہلت امتحان ختم ہوجانے پر اس کا بدلہ دیا جائے۔اللہ تعالیٰ انسان کو زندگی اس لیے بخشتا ہے کہ وہ دیکھے کہ کون لوگ ہیں جو اس کے احکام ومرضیات کے مطابق اس کے پسندیدہ طریقہ حیات پر زندگی گذارتے ہیں اور کون لوگ ایسے ہیں جو اس کے رسولوں کی نافرمانی کر کے اپنی من مانی زندگی گذارتے ہیں۔چنانچہ اس امتحان کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ایسا دن آئے جس میں ہر شخص کی اچھائی اور برائی کا بدلہ دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے یوں ہی چھوڑ نہیں دیا بلکہ اس نے اسے مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے۔اس نے انسان کے اندر بھلے اور برے کی تمیز کی صلاحیت رکھی۔اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنایا تا کہ وہ امتحان کے لائق ہو سکے پھر اس سے بھی آگے بڑھکر اپنے رسولوں کے ذریعہ اس کی رہنمائی کا اہتمام فرمایا تا کہ وہ اپنے خالق کی فرمانبرداری اور نافرمانی کی باتوں کو جان سکے،فرمانبرداری کا راستہ اختیار کر کے شکر گذار بندہ بنے اور ایسے کاموں سے اجتناب کرے جن سے خالق نے روکا ہے تا کہ عذاب سے بچ سکے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعاً بَصِيْراً ۔اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِراً وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدھر/۲۔۳)

بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا پانی کی ایک مخلوط بوند سے اس کو الٹتے پلٹتے رہے یہاں تک کہ ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنادیا۔ہم نے اس کو راہ سمجھادی۔چاہے وہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں خیروشر کی تمیز ودیعت کر کے اس کو اختیار

دے دیا کہ چاہے وہ خالق کائنات کی اطاعت گذاری کر کے اس کے شکر گذار بندوں میں شامل ہو جائے یا اس کے احکام کی خلاف ورزی کر کے نافرمانوں اور سرکشوں کا راستہ اختیار کرے اور اس کا شمار ناشکر گذار بندوں میں ہو۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (البلد/۱۰) اور ہم نے اس کو دونوں راہیں سجھادیں

سورہ شمس میں فرمایا:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (آیت نمبر ۸) پس اس کی بدی اور پرہیزگاری الہام کردی

اس طرح اچھائی و برائی، خیر و شر، پرہیزگاری و بے اعتدالی اور نیکو کاری و بداعمالی دونوں چیزیں واضح ہو جانے کے بعد انسان خود اپنے اچھے برے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرا اور اس کے پاس احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرنے کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ (القیمہ /۱۴-۱۵) بلکہ انسان اپنے اوپر خود گواہ ہے۔ اگر چہ وہ کتنے ہی عذر تراشے

اس دنیا میں انسان کی بعثت کا مقصد آزمائش ہے۔ آزمائش مختلف طریقوں سے ہوتی ہے۔ کبھی نعمتیں دے کر اور کبھی ان سے محروم رکھ کر، کبھی دولت اور سامان آسائش فراہم کر کے، کبھی افلاس و غربت میں مبتلا کر کے، کبھی خوشحالی و فارغ البالی سے نواز کر اور کبھی تنگی و عسرت میں ڈال کر، کبھی مال و دولت دے کر اور کبھی ان سے محروم کر کے۔

انسان خدا کا نائب ہے:۔ اس دنیا میں انسان کی حیثیت نائب خدا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں خلیفہ کی حیثیت سے مقرر کیا ہے۔

اِنِّــیْ جَــاعِــلٌ فِــی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرہ/۳۰)	بالیقین میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔

خلیفہ کے معنی نیابت کرنے والے کے ہیں۔نائب کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس کی نیابت کررہا ہے اس کی مکمل اطاعت کرے اور جتنے اختیارات اسے دیئے گئے ہوں ان سے تجاوز نہ کرے۔اللہ تعالیٰ کے نائب ہونے کا مفہوم مندرجہ ذیل آیت سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔

فَـاِمَّـا یَأْتِیَنَّکُمْ مِنِّیْ هُدیً فَمَنْ تَبِعَ هُـدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَـحْزَنُوْنَ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِـآیٰتِنَـآ اُولٰئِکَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ (البقرہ/ ۳۸۔۳۹)	پھر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے،تو جولوگ میری اُس ہدایت کی پیروی کریں گے۔ اُن کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔اور جواس کوقبول کرنے سے انکارکریں گےاور ہماری آیات کوجھٹلائیں گے۔وہ آگ میں جانے والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے

انسان دنیا میں اپنی مرضی چلانے کے لئے نہیں بلکہ اپنے اصل مالک کی مرضیات پوری کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی رہنمائی اور ہدایت کی پیروی کرنا اس کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ایک دن اس کواس کا حساب دینا پڑے گا کہ بحیثیت نائب جوذمہ داریاں اس پر ڈالی گئیں تھیں ان کو بعینہ ادا کیا یاان سے صرف نظر کرکے بغاوت کی روش اختیار کی تھی۔اس دنیا میں انسان کی پوری زندگی ایک مسلسل آزمائش ہے۔

جس کو جو کچھ ملا اسی میں اس کی آزمائش ہے کہ کس طرح اس نے اللہ کی دی ہوئی ان نعمتوں کا استعمال کیا۔ان نعمتوں کو پاکر اللہ سے اور آخرت سے غافل ہوگیا یا ان نعمتوں کے ملنے پر اللہ کا شکر گذار بنا اور اس کے حکم کے مطابق ان کا استعمال کیا۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بنایا تا کہ وہ دیکھے کہ حکومت واقتدار پانے کے بعد وہ اس دنیا میں اس کے احکام کے مطابق زندگی کا نظام چلاتا ہے یا اپنی من مانی کرتا ہے جیسا کہ درج ذیل قرآنی ارشادات سے واضح ہوتا ہے۔

۱۔وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (الاعراف/۱۲۹)	اور تم کو زمین میں خلیفہ بنائے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو
۲۔ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (یونس/۱۴)	اب اُن کے بعد ہم نے تم کو زمین میں ان کی جگہ دی ہے تا کہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو
۳۔وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ (الانعام/۱۶۵)	وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دیے، تا کہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے

دنیا کی حقیقت:

ارشاد باری ہے

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ ۔ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُقْتَدِرًا (الکہف/۴۵)	اور اے نبیؐ، انہیں حیاتِ دنیا کی حقیقت اس مثال سے سمجھاؤ کہ بارش ہو جسے ہم نے آسمان سے اتارا پس زمین کے نباتات اچھیں پھر وہ چورا ہو جائیں جسے ہوائیں اڑائے لیے پھریں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنيا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌفِى الاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ۔ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا۔ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ۔ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (الحدید/۲۸)

خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔اس کی مثال ایسی ہے۔جیسے بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونے والے نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہو گئے۔ پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے۔اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے۔اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے۔ جہاں سخت عذاب ہے۔اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے۔ دنیا کی زندگی ایک دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔

دنیا کے مال ومتاع کی حقیقت:اس دنیا کو اسلام فانی قرار دیتا ہے اور اس کی راحتوں کو وقتی بتاتا ہے۔جبکہ آخرت کو دائمی اور وہاں کی نعمتوں کو ابدی اور لازوال بتاتا ہے۔اس دنیا میں انسان وقتی طور سے بھیجا گیا ہے اور اس کو آرائش وزیبائش کے اسباب ووسائل سے نوازا گیا ہے۔اس نوازش میں اس کی آزمائش کی جائے گی۔قرآن میں ارشاد ربانی ہے:

ا۔اِنَّا جَعَلْنَا مَاعَلَى الارضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً (الکہف/۷)

واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سروسامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے۔تاکہ آزمائیں ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

۲۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا (الکہف ۹/۴۶)

یہ مال اور اولاد محض دنیوی زندگی کی ایک ہنگامی آرائش ہے اصل میں توباقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجے کے لحاظ سے بہتر ہیں اور انہیں سے بہتر امید وابستہ کی جاسکتی ہے۔

۳۔ فَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ (الشوریٰ/۳۶)

جو کچھ بھی تم لوگوں کو عطا کیا گیا ہے وہ محض دنیا کی چندروزہ زندگی کا سروسامان ہے اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے وہ بہتر ہے اور پائیدار بھی ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دنیا امتحان کی جگہ ہے اور اس کی ساری چیزیں آزمائش کا ذریعہ ہیں تاکہ دیکھا جائے کون اس دنیا کی زینت میں مگن ہوکر آخرت سے غافل ہوجاتا ہے، اپنے رب کی نافرمانی کرتا ہے اور کون اپنے رب کی ملاقات کا مشتاق بنتا ہے اور اس کی رضا کا طالب بن کر ایسے کام کرتا ہے جن کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے۔ اس دنیا کی نعمتوں کو پرکشش بنایا گیا ہے۔ ان میں لذت وسرور رکھا گیا ہے۔ ان کو آرام وراحت کا ذریعہ بنایا گیا ہے پھر اس بات سے آزمائش کی جاتی ہے کہ کون اس کے مال ومتاع، کھیتی باڑی، زمین وجائداد، باغوں، عالیشان عمارتوں اور بادشاہت وحکمرانی اور یہاں کی پرکشش زندگی میں رہ کر اللہ سے غافل ہوجاتا ہے اور کون اللہ کو یاد رکھتا ہے۔

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا کی رنگینی اور یہاں کے مال ومتاع میں پھنس کر انسان آخرت سے غافل ہوجاتا ہے اور اپنے رب سے ملاقات کو بھول جاتا ہے

اسی لئے قرآن مجید نے بار بار اس طرف توجہ دلائی۔ مثلاً ارشاد باری ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡھِکُمۡ اَمۡوَالُکُمۡ وَلَآ اَوۡلَادُکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰهِ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ (المنافقون/۲)	اے ایمان لانے والو تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کریں جو لوگ ایسا کریں گے در اصل وہی خسارے میں ہیں۔

انسان کو اپنے مالی مفاد سے اس حد تک وابستگی ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے اسی لئے فرمایا گیا کہ یہ مال اور اولاد جن کی محبت میں گرفتار ہو کر انسان عموماً راست روی سے ہٹ جاتا ہے، دراصل یہ دنیا کی امتحان گاہ میں انسانوں کے لئے آزمائش کا سامان ہیں ان کے ذریعہ انسان کو جانچ کر دیکھا جائے گا کہ وہ کہاں تک ان حقوق وحدود کا لحاظ کرتا ہے جو اس کے خالق نے اس کے لئے متعین کئے ہیں اور یہ کہ دنیا کی دلفریبیوں اور رعنائیوں کے بیچ اور جذبات کی کشاکش کے درمیان کس حد تک راہ راست پر گامزن رہتا ہے۔ یہ آیت سورۃ منافقون کی ہے سورہ کے مخصوص پس منظر میں اسکا مفہوم یہ ہے کہ منافقین مال ودولت اور اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر ہی دین کے مطالبات سے غافل ہو گئے اور دنیا کی خاطر آخرت کو بھلا دیا۔ یہ کتنے گھاٹے کا سودا ہے کہ انسان فنا ہونے والی دنیا کے لئے ہمیشہ رہنے والی زندگی کی نعمتوں سے محروم ہو جائے۔

بسا اوقات انسان اہل وعیال کی محبت میں اندھا ہو جاتا ہے اور حد اعتدال سے آگے بڑھ جاتا ہے اور یہ چیز اس کے لئے دین سے دوری کی باعث بن جاتی ہے کیوں کہ وہ ان کی خاطر حلال وحرام کی تمیز تک کھو بیٹھتا ہے اور دوسروں کی حق تلفی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اللہ کی عبادت واطاعت وانقیاد سے غافل ہو جاتا ہے ایمان واسلام کے تقاضوں کو فراموش کر دیتا ہے، اعمال خیر کے بجائے اعمال شر کا مرتکب ہونے لگتا ہے۔ اس طرح یہ چیز اس کے لئے اخروی اعتبار سے تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (تغابن/۱۴)

مومنوں تمہاری بیویوں اور بچوں میں بعض تمہارے دشمن ہیں لہذا ان سے احتیاط کرتے رہو۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (تغابن:۱۵)

تمہارے مال اور تمہاری اولاد (تمہارے لئے) امتحان ہیں

''فتنہ'' کے لفظ سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ یہ چیزیں فی نفسہ قابل نفرت ہیں بلکہ جس طرح ایک طالب علم کے لئے امتحان اس کی صلاحیت کی آزمائش کے لئے ہوتا ہے اور وہ اسے قابل نفرت چیز سمجھنے کے بجائے اسے اپنی ترقی اور آگے بڑھنے کا ذریعہ سمجھ کر سوالات کو صحیح طور پر حل کر کے اپنی صلاحیت کو ثابت کرتا ہے اسی طرح مال واولاد سے انسان کو نواز کر اس کی آزمائش کی جاتی ہے کہ کون ان کا صحیح استعمال کر کے اپنے درجات کو بلند کرتا ہے اور کون انکا غلط استعمال کر کے اپنے کو جہنم کا سزاوار ٹھہراتا ہے۔ جہاں ناخلف اور نالائق اولاد انسان کے لئے فتنہ ثابت ہوتی ہے وہیں صالح اور لائق اولاد انسان کے لئے بلندی درجات کا سبب بنتی ہے، سکون واطمینان قلب فراہم کرنے کی باعث بنتی ہے، اس کے مشن کی توسیع وتقویت کا ذریعہ بنتی ہے اور آخرت کے لئے صدقہ جاریہ۔ اسی لئے حضرت زکریاؑ نے اپنے رب سے دعا مانگی تھی۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْباً وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا وَّاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا (مریم/۴-۶)

اس نے عرض کیا ''اے میرے رب میری ہڈیاں تک گل گئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے، اے پروردگار میں کبھی تجھ سے دعا مانگ کر نامراد نہیں رہا، مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائیوں بندوں کی برائیوں کا خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے فضل خاص سے ایک وارث عطا کردے جو میرا وارث بھی ہو اور آل یعقوب کی میراث بھی پائے اور اے پروردگار اسکو ایک پسندیدہ انسان بنا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کو شرف قبولیت بخشا اور فرمایا:

یٰیَحیٰی خُذِ الکِتٰبَ بقوّۃ ۔ واٰتینٰہ الحُکمَ صَبِیّاً، وّحَناناًمِن لّدُنّا وَزکوۃً ۔ وکان تَقِیًّا، وّبَرًّا بِوالِدَیہ وَلَم یَکُن جَبّاراً عَصِیًّا ،وسَلٰمٌ عَلَیہِ یَومَ وُلِدَ وَیَومَ یَمُوتُ وَیَومَ یُبعَثُ حَیًّا۔(مریم/۱۲۔۱۵)

اے یحییٰ، کتاب الٰہی کو مضبوطی سے تھام لے، ہم نے اسے بچپن ہی میں حکم سے نوازا، اور اپنی طرف سے اس کو نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی اور وہ بڑا پرہیز گار اور اپنے والدین کا حق شناس تھا، وہ جبّار نہ تھا اور نہ نافرمان۔ سلام اس پر جس روز وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس روز وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔

حضرت مریم کی گود میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے اور لوگوں نے بدکاری کا الزام لگانے کی کوشش کی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے ہی میں سے فرمایا۔

قَالَ اِنّی عَبدُ اللہِ آتانی الکِتٰبَ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا، وّجَعَلَنِی مُبارکاً اَیَنَ مَاکُنتُ وَاَوصٰنِی بالصَّلٰوۃِ والزّکوٰۃِ مَادُمتُ حَیًّا وَ بَرًّا بِوالِدَتِی وَلَم یَجعَلنِی جَبّاراً شقیاً وَالسّلٰمُ عَلَیّ یَومَ وُلِدتُّ وَیَومَ اَمُوتُ وَیَومَ اُبعَثُ حَیاً (مریم/۳۔۳۳)

بچہ بول اٹھا۔ ''میں اللہ کا بندہ ہوں'' اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں اور نماز اور زکوۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا اور جبکہ میں مروں اور جبکہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں

ان آیات میں اچھی اولاد کی چند نمایاں خصوصیات کی وضاحت کی گئی ہے۔

ایک یہ کہ وہ توحید پرست، پرہیز گار، متقی اور اللہ کے حقوق ادا کرنے والی

ہوتی ہے۔

۲۔اللہ کے حقوق کے ساتھ ہی اپنے والدین کے حقوق کو ادا کرنے والی، ان کا احترام اور ان کی خدمت کرنے والی ہوتی ہے۔

۳۔والدین کے مشن کی وارث ہوتی ہے۔

۴۔سارے جہان کے انسانوں کے لئے سراپا رحمت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دیں اور ان کی تربیت اس نہج پر کریں کہ ان کے اندر مندرجہ بالا صفات پیدا ہو سکیں اور وہ آخرت میں اپنے آپ کو جہنم سے بچا سکیں اور جنت کے مستحق ہو سکیں۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا قُوْآ اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ (التحریم/٦)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

ان آیات سے یہ بات واضح طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے کہ مال و اولاد کی محبت میں غلو جو انسان کو اس کی بنیادی ذمہ داریوں سے غافل کر دے جائز نہیں ہے۔ البتہ حدود میں رہتے ہوئے دولت حاصل کرنا اور اسے رضاء الٰہی کے کاموں میں صرف کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے اور اسلام اسی کی تعلیم دیتا ہے۔ ارکان اربعہ میں زکوۃ کی بڑی اہمیت ہے اور قرآن مجید میں اس کا ذکر نماز کے ساتھ آتا ہے۔ زکوۃ تمام مسلمانوں پر نصاب کی شرط کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ اس فریضہ کے علاوہ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی بڑی فضیلت ہے اس لئے ہر مسلمان کو معاشی اعتبار سے اتنا مضبوط ہونے کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ نہ صرف زکوۃ ادا کرے بلکہ اس کے علاوہ اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ انفاق کر سکے۔

حکم ربانی ہے۔

اَقِیمُوا الصّلوٰۃَ وَاٰتواُ الزّکوٰۃ (البقرہ/۴۳)

نماز قائم کرواور زکوۃ ادا کرو

الذین ان مکنّاھم فِی الارضِ اَقَامُوا الصلوٰۃَ وَاٰتُوالزکوٰۃَ وامروا بالمعروف ونھَوا عَن المُنکرِ ولِلہِ عاقِبَۃُ الاُمورِ (حج/۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں اقتدار نصیب کریں تو یہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے لئے ہے۔

خُذ مِنْ اَموَالِھِم صَدَقَۃً تَطھِرھُم وَتُزَکِّیھِم بِھاَ (التوبہ/۱۰۴)

اے نبیؐ! تم ان کے اموال میں صدقہ وصول کرو جس سے تم ان کو پاک وصاف کردو گے

ایتاءزکوۃ ایمان کی بنیادی شرائط میں شامل ہے۔اہل ایمان کو اقتدار اور غلبہ بخشنے کا ایک اہم مقصد زکوۃ کا نظام قائم کرنا ہے۔ نیز یہ کہ مال کی افراط اور زیادتی کی وجہ سے جو اخلاقی بیماریاں اور خرابیاں جیسے حرص، بخل، نفس پرستی، عیش کوشی اور قساوت قلبی وغیرہ پیدا ہو جاتی ہیں زکوٰۃ ان سب سے حفاظت کا نہایت موثر ذریعہ ہے۔زکوۃ کی ادائیگی سے غرباء، مسکینوں اور محتاجوں کے لئے دل میں جگہ پیدا ہوتی ہے اور مال کے بجائے رب کی محبت پیدا ہوتی ہے جو محض اپنے فضل سے جیسے چاہتا ہے معاش میں کشادگی عطا کرتا ہے۔ چنانچہ مال خرچ کر کے انسان اللہ کی خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کرسکتا ہے۔مال کے صحیح استعمال سے آخرت میں انسان کے مرتبے بلند ہوتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ اَموَالَهُم فِي سَبِيلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنبَتَتْ سَبعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ۔ واللهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَّشَاءُ۔ واللهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (بقرہ/۲۶۱)

جولوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے فراوانی عطا کرتا ہے وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَن تَنَالُوا البِرَ حَتّیٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَاتُنفِقُوا مِن شَئٍ فَاِنَّ اللهَ بِهِ عَلِيم (آل عمران/۹۲)

تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو جن کو تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے باخبر ہوگا۔

قرآن کی ان واضح تعلیمات سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ مسلمان کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ دنیاوی اسباب ووسائل کے حصول میں وہ پوری سرگرمی سے حصہ لیتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وسائل حیات اور اسباب معاش اس کے قبضے میں ہوں۔ وہ مادّی قوت کے حصول کے لئے مسلسل جدو جہد کرتا ہے اور جب مطلوبہ وسائل اس کے ہاتھ میں آجاتے ہیں تو وہ انہیں اللہ کی راہ میں اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور اسلام کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے بے دریغ خرچ کرتا ہے اور مال وجاہ کی محبت اسے خرچ کرنے سے روکنے میں کامیاب نہیں ہوتی کیونکہ دنیا کا حصول فی نفسہ اس کا مطمح نظر نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ ایک اعلیٰ اور برتر مقصد کے حصول کے لئے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ اس عظیم مقصد کے لئے دنیا کا حصول مسلمان کے لئے دنیا وآخرت میں سرخروئی اور سرفرازی کا باعث وضامن ہوگا۔

رہبانیت اور اسلام:۔ دنیا انسان کے لئے امتحان گاہ ہے، یہاں کی نعمتوں سے صحیح طور پر استفادہ اور زحمتوں کو برداشت کرتے ہوئے اللہ کے احکامات کو

بجالانے میں ہی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ انسانی سماج میں رہتے ہوئے پیش آمدہ مسائل اللہ کے احکام کے مطابق حل کرتے ہوئے اور اس کی منہیات سے بچتے ہوئے زندگی گذارنا ہی دراصل وہ امتحان ہے جس سے بندہ مومن کو اس دنیا میں گذرنا ہے۔ آخرت کی کامیابی سے ہم کنار ہونے کے لئے اسلام نے دنیا کی نعمتوں سے یکسر کنارہ کش ہوکر راہبانہ زندگی گذارنے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی اس کو پسندیدہ قرار دیا۔ دنیا اور اس کے ذرائع اور وسائل سے بے نیازی اور بے توجہی اور اس کی تحقیر وتذلیل اور اس سے دوری ومحرومی اس کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات عیاں ہوکر سامنے آتی ہے کہ انسان مال ودولت، معاشی خوشحالی اور وسائل حیات پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کرے، نسل انسانی کے تسلسل اور جنسی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے نکاح کرے، انسانوں کے ساتھ معاشرہ میں رہے اور ان سے انس ومحبت رکھے البتہ ان سب کے ساتھ یہ حقیقت ہمیشہ نظروں کے سامنے رہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور ایک دن مہلت حیات ختم ہوجانے کے بعد اسے اس دنیاوی زندگی کو خیرباد کہنا ہے۔ مزید یہ کہ مرنے کے بعد اسے دوبارہ اٹھایا جائے گا اور اس امتحان گاہ میں اس نے جیسے کچھ اعمال کئے ہوں گے ان کے مطابق اسے جزا یا سزا ملے گی۔ آخرت کی زندگی دائمی زندگی ہوگی۔ انسان کی منزل مقصود یہی ہے اور وہاں کی کامیابی اور فائز المرامی ہی اصل کامیابی اور سعادت ہے۔ لیکن اس منزل تک پہونچنے کے لئے اسے اس دنیا سے ہوکر گذرنا ضرور ہے۔ یہ دنیاوی زندگی اسی لئے ملی ہے کہ یہاں رہتے ہوئے آخرت کی ابدی ولازوال زندگی کے لئے تیاری کی جائے، اس دنیا کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ یہ فی نفسہ مقصود ومطلوب نہ بن جائے اور کسی لمحہ آخرت نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اگر دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھتے ہوئے استعمال کیا جائے تو یہ دنیا سراپا خیر بن جاتی ہے لیکن اگر دنیاوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھ کر اسے برتا جائے اور یہاں کے نفع ہی کو اصل نفع اور یہاں کے نقصان کو حقیقی نقصان سمجھ کر اور آخرت کو بھلا کر زندگی گذاری جائے تو بلاشبہ

اس میں سراسر خسارہ ہے۔قرآن مجید میں نماز جمعہ کے آداب بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ انسان جائز حدود میں رہتے ہوئے حلال طریقہ سے حصول رزق کے لئے جدوجہد کرے لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر حالت میں اس کے پیش آخرت نظر رہے۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

فَاذَا قُضِيتِ الصلوة فانتشروا فِي الْاَرضِ وابتغوا مِنْ فضل الله (الجمعہ/۱۰۱)	جب نماز پوری ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

نماز جمعہ کے بعد زمین پر حلال رزق اور کسب معاش کے لئے پھیل جانے کی ہدایت کی جارہی ہے اور اس کے لئے جدوجہد کرنے کو فضل سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ کوئی ایسا عمل نہیں ہے جو حقیر اور ناپسندیدہ ہو بلکہ واقعہ یہ ہے اللہ۔کے نزدیک یہ مطلوب اور پسندیدہ عمل ہے۔البتہ یہ ضروری ہے کہ ہمیشہ اپنے بنیادی منصب کا استحضار رہے اور ہر حال میں اللہ کو یاد رکھا جائے۔اللہ کو یاد رکھنے کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے بندے اور اللہ کے مالک وحاکم ہونے کا احساس ہر وقت اور ہمہ آن تازہ رہے اور اللہ نے تجارت اور معاملات کے باب میں جن آداب واحکام کو برتنے کا حکم دیا ہے ان کا بھرپور لحاظ کرتے ہوئے رزق کے حصول کے لئے جدوجہد کی جائے۔اگر انسان کے دل سے یہ احساس نکل جائے اور دنیا ہی اس کا مقصود اور مطمح نظر بن جائے تو انسان شیطان کے فتنوں سے نہیں بچ سکتا۔اگر دنیا ہی کو اپنا مطلوب ومقصود بنا کر اور احکام الٰہی سے صرف نظر کرتے ہوئے حلال وحرام میں تمیز کئے بغیر تجارت کی جائے تو اس کا انجام ابدی خسران کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتا ہے۔فرمان الٰہی ہے:

ومِنْ رَّحمتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ ولِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (القصص/۷۳)	یہ اسی کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنائے تاکہ تم (رات میں) سکون حاصل کرو اور (دن کو) اپنے رب کا فضل تلاش کرو شاید کہ تم شکر گذار بنو۔

وجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيتين...... لِتَبْتَغُوا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ (بنی اسرائیل/۱۲)

دیکھو ہم نے رات اور دن کو دونشانیاں بنایا ہے تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔

وَابْتَغِ فِيمَا اٰتٰكَ اللّٰه الدَّارَ الآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدنيا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحسَنَ الله اليك (القصص/۷۷)

جو کچھ اللہ نے دے رکھا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کراور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر، احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے۔

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ دعا سکھائی ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا فی الدُّنيَا حَسَنةً وفی الآخِرَةِ حَسَنةً وَقِنَا عَذَابَ النار (البقرہ/۲۰۱)

اور ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا

اسلام نے جس چیز سے روکا ہے وہ یہ ہے کہ انسان ضروریات زندگی سے بڑھکر عیش وعشرت کے سامان کے حصول، عالیشان محلات کی تعمیر، کار اور بنگلہ کے فکر میں دنیا میں اس طرح منہمک نہ ہوجائے کہ وہ خدا سے غافل ہوجائے جیسا کہ ارشاد ہے:

فَلاَ تَغُرَّنَّكُم الحيوٰةُ الدُّنياوَ لَايُغُرَّنَّكُم باللهِ الغَرورُ (لقمان/۳۳)

پس یہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکے باز تم کو اللہ کے معاملے میں دھوکا دینے پائے۔

دنیا طلبی کی حقیقت: رزق کی فراخی اور تنگی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے ہر دونوں صورتوں میں انسان کی آزمائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو رزق میں فراخی، فراوانی اور کشادگی دے کر بھی آزماتا ہے اور غربت وافلاس، تنگی اور اسباب معاشی کی قلت میں بھی مبتلا کر کے بھی۔ مسلمان کی صفت یہ ہے کہ وہ دونوں ہی حالتوں میں اللہ کا شکر گذار رہے اور اسے اپنے دین وایمان کے لئے فتنہ نہ بننے دے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کشادگی رزق سے نوازتا ہے وہ

اکثر گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ اس دنیا میں اس حد تک مگن ہو جاتے ہیں کہ اللہ کے احکام سے غفلت برتنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قرآن بار بار توجہ دلاتا ہے کہ دنیا کی زندگی چندروزہ ہے، یہاں کی راحتیں بھی عارضی اور فانی ہیں اور یہاں کی آزمائشیں اور تکلیفیں بھی، اصل خوشحالی اور کامیابی آخرت کی کامیابی ہے لہذا اس کی تیاری کرنی چاہئے، ساتھ ہی وہ غرباء کو توجہ دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ کسی کی دولت کی فروانی سے انکو یہ مغالطہ نہ ہو کہ یہ اللہ کے قرب کی علامت ہے، انہیں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ کسی کو مالداری اور کسی کے حصہ میں غربت کا آنا ایک اصول کے تحت ہے۔ لہذا امیر وغریب سب کی فکر کا محور آخرت کو ہونا چاہئے۔

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یشَآء وَیَقْدِرُ وَفَرِحُوا بِالحیٰوۃِ الدُّنیَا وَمَاالحیٰوۃُ الدُّنیَا فِی الآخِرَۃِ اِلَّامَتَاع (الرعد/۲۶)

اللہ جسکو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپاتُلا رزق دیتا ہے۔ یہ لوگ دینوی زندگی میں مگن ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاع قلیل کے سوا کچھ نہیں ہے۔

دنیا طلبی کا انجام :

آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح اور اہمیت دینے کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان دولت ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کے اندر اس سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اِسْتَحَبُّوا الحیٰوۃ الدُّنیَاعلیٰ الْاٰخِرَۃ وَاَنَّ اللہ لَایَھْدِی القَوْمَ الکٰفِرِین (النحل/۱۰۷)

اس لئے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا، اور اللہ کا قاعدہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو راہ نجات نہیں دکھاتا جو اس کی نعمت کا کفران کریں

دنیا کی حد سے زیادہ محبت انسان کو صرف گمراہی میں ہی مبتلا نہیں کرتی بلکہ انکار آخرت کے راستے پر لے جاتی ہے، یہ چیز ان کو اس بات پر بھی آمادہ کر دیتی ہے کہ وہ دین حق میں طرح طرح کی تحریف کریں اور نئی نئی بدعتیں ایجاد کریں کیونکہ دنیا کے مفاد کو آخرت پر ترجیح دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ دولت دنیا اور وسائل تعیش ہی ان کی ساری تگ و دو اور خواہش و کوشش کا مرکز و محور ہوتا ہے اور اسی کے گرد ان کی ساری سرگرمیاں محصور و منحصر ہوتی ہیں۔

وَوَيْلٌ لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ۔ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا۔ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۔(ابراہیم ۲/۳)

اور سخت تباہ کن سزا ہے قبول حق سے انکار کرنے والوں کے لئے جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روک رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ راستہ (اُن کی خواہشات کے مطابق) ٹیڑھا ہو جائے، یہ لوگ گمراہی میں بہت دور تک نکل گئے ہیں۔

جو لوگ آخرت کے بجائے دنیا کو اپنا مقصد زندگی بنا لیتے ہیں، اللہ اور آخرت سے بے نیاز و بے فکر ہو کر صرف دنیوی زندگی کی آرائش و زیبائش کے لئے ساری دوڑ دھوپ کرتے رہتے ہیں، ان کے نزدیک دنیوی زندگی ہی اصل زندگی بن کر رہ جاتی ہے اور وہ اس سے آگے دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر زبانی اور رسمی ایمان کے اظہار و اقرار کے باوجود انہیں کبھی اس کی فکر نہیں ہوتی کہ وہ اس کی مرضیات کو جاننے کی کوشش کریں۔ یہ خیال انہیں کبھی پریشان نہیں کرتا کہ ایک دن انہیں اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا اور دنیا میں جو کچھ انھوں نے کیا ہے اس کا پورا پورا بدلہ انہیں مل کر رہے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر مقصد زندگی کا صحیح تعین نہ ہو تو زندگی کا پورا رخ ہی غلط ہو جاتا ہے اور اکثر آدمی اس بھرم میں

گرفتار رہتا ہے کہ وہ اچھے کام کر رہا ہے حالانکہ ایسے کاموں اور کارناموں کی جو دنیا کو سامنے رکھ کر اور خالص حصول دنیا کے مقصد سے انجام دیئے جاتے ہیں اللہ کے یہاں کوئی قیمت اور اہمیت نہیں ہے اس لئے کہ اس کا صلہ انہیں دنیا ہی میں مل جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے ارشاد ہے:

اِنَّ الَّـذِيـنَ لَايَـرجُـوْنَ لِقَـآءَ نَـا وَ رَضُـوا بِـالْـحيٰوةِ الدُّنيَا وَاطْمَانُّوْا بِهَـا وَالَّـذِيـنَ هُـمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُون اُولٰـئِكَ مَـاْوٰاهُـمُ الـنَّـارُ بِمَا كَانُوا يَكسِبُون (یونس/۷۔۸)

حقیقت یہ کہ جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہوگئے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہوگا۔ ان برائیوں کی پاداش میں جن کا اکتساب وہ (اپنے غلط عقیدے اور غلط طرز عمل کی وجہ سے) کرتے رہے۔

قُـلْ هَـلْ نُـنَبِـئُـكُـمْ بِـالْاَخْسَرِيْنَ اَعْـمَـالًا اَلَّـذِيْـنَ ضَـلَّ سَعْيُهُمْ فِي الحيٰوةِ الدُّنيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا، اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِـاٰيٰـتِ رَبِّهِـمْ وَلِـقَـائِـهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (الکہف/۱۰۳۔۱۰۵)

اے محمدؐ ان سے کہو کہ کیا تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام و نامراد لوگ کون ہیں؟ وہ جن کی ساری سعی وجہد دنیا میں راہ راست سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار کیا اور اس کے حضور پیشی کا یقین نہ کیا۔ اس لئے ان کے سارے اعمال ضائع ہوگئے قیامت کے روز ہم انہیں کوئی وزن نہ دیں گے۔

اولٰئِکَ الَّذِینَ اشتَرَوُا الحَیٰوۃَالدُّنیَا بِالاٰخِرَۃِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنھُمُ العَذَابُ وَلَاھُم یُنصَرُونَ (بقرہ/٨٦)

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے (آخرت بیچ کر دنیا کی زندگی خریدی ہے) دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی لہذا نہ اُن کی سزا میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ انہیں کوئی مدد پہنچ سکے گی۔

یہ ایک آئینہ ہے جس میں ہم خود اپنی حقیقی تصویر دیکھ سکتے ہیں اور فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہماری اپنی زندگیاں کہاں تک اس معیار پر پوری اترتی ہیں اور کہاں تک اس سے مغائرت رکھتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دور پرفتن میں اکثر مسلمان معاملات، اخلاق وکردار، سیاسی، معاشرتی ومعاشی اور انفرادی واجتماعی طور سے نہ صرف عملاً دین سے دور نظر آتے ہیں بلکہ دین کے بنیادی عقائد اور تعلیمات سے بھی ناواقف اور ناآشنا ہیں۔ ان کا دین صرف کچھ روایتی اعمال اور کچھ سماجی رسومات تک منحصر ہے چنانچہ اللہ سے رشتہ کمزور اور آخرت کا تصور نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں کامیابی کے لئے دنیا میں رائج طریقوں اور رنگ وڈھنگ کو اختیار کرنا ہوگا ورنہ وہ کامیابی سے ہم کنار نہ ہوں گے چاہے یہ طور طریقے واضح طور پر اللہ اور اس کے رسول کے احکام وتعلیمات کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ قرآن ایسے مسلمانوں کو جو اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کا قولاً یا عملاً انکار کرتے ہیں یا زبان سے تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن عمل سے اس کا انکار کرتے ہیں متنبہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان کا یہ طرز عمل اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات سے منھ موڑ لینے اور ان کا انکار کردینے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان پر نظر رحمت نہ کرے گا، ان کو نظر انداز کردیگا اور قیامت کے دن اللہ جس کو نظر انداز کردے اس کے لئے ہلاکت وبربادی کے سوا کچھ نہیں۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا . وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا . وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا . وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ. (ال عمران/۱۴۵)

کوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مرسکتا موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔ جو شخص ثواب دنیا کے ارادہ سے کام کرے گا اس کو ہم دنیا میں سے ہی دیں گے اور جو ثواب آخرت کے ارادہ سے کام کرے گا وہ آخرت کا ثواب پائیگا اور شکر کرنے والوں کو ہم ان کی جزا ضرور عطا کریں گے

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَكَانَ اللهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (النسا/۱۳۴)

جو شخص محض ثواب دنیا کا طالب ہو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کے پاس ثوابِ دنیا بھی ہے اور ثوابِ آخرت بھی اور اللہ سمیع و بصیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر شخص کو مہلت حیات ملی ہے جو اللہ کے علم میں معلوم و متعین ہے۔ اس وقت معین میں کوئی کمی یا زیادتی ممکن نہیں ہے۔ نہ تو کوئی اس سے پہلے کشاکش حیات سے نجات پاسکتا ہے اور نہ اس کے بعد زندگی کی کوئی رمق باقی رہ سکتی ہے۔ ایسی صورت میں جب موت دنیا کی سب سے اٹل حقیقت ہے سوچنے کی بات یہ ہے کہ بعد کی زندگی کے لئے کیا توشہ کمایا اور آگے بھیجا۔ اس کا دارومدار در اصل اس فیصلہ پر منحصر ہے کہ آیا اس کی فکر و عمل کا محور صرف یہی فانی ندگی اور اس کے چند روز تعیشات ہیں یا اس کی فکر و توجہ کا مرکز زندگی بعد موت ہے۔ ظاہر ہے ان مختلف بلکہ متضاد نقطہ ہائے نظر کے عواقب اور نتائج ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہوں گے۔ البتہ جہاں تک زندگی کی بنیادی ضروریات کا تعلق ہے تو خالق کائنات نے ان کو ساری انسانیت کے لئے عام رکھا ہے۔ وہ یکساں طور پر فرمانبردار اور نافرمان، اطاعت گذار اور بغاوت و سرکشی کرنے والے ہر طرح کے بندوں کو بلا امتیاز و تفریق رزق عطا کرتا ہے اس کے رزق کی تقسیم میں فرمانبرداری کی کوئی شرط نہیں رکھی ہے۔

جہاں تک اعمال کا معاملہ ہے تو ان کا دارومدار نیت پر ہے۔ جو شخص آخرت کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا یا محض زبانی اس کا اقرار کرتا ہے اور اس کا عمل اس کی نفی

کرتا ہے اس لئے کہ اس کی ساری تگ ودو اور سعی وجہد کا محور و مرکز حیات دنیا تک محدود ہے تو ظاہر ہے ایسے لوگوں کو ان کی جان فشانیوں کا بدلہ دنیا ہی میں مل جائے گا۔ البتہ جن لوگوں کا مطمح نظر اخروی زندگی ہے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا اجر ہے۔

ارشاد باری ہے

مَن كَانَ يُرِيدُ حَرثَ الاخِرَةِ نَزِدلَهُ فِي حَرثِهٖ ۔وَمَن كَانَ يُرِيدُ حَرثَ الدُّنيَا نُؤتِهٖ مِنهَا وَ مَالَهُ فِي الاٰ خِرَةِ مِن نَّصِيبٍ (الشوری/۲۰)

جوکوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے رزق میں افزونی دیتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہوتا ہے اسے دنیا ہی میں سے دے دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

مَن كَانَ يُرِيدُ العاجِلَةَ عَجَّلنَالَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَن نُرِيدُو ثُمَّ جَعَلنَا لَهُ جَهَنَّمَ۔ يَصلٰهَا مَذمُوماً مَدحُوراً وَمَن اَرَادَ الاٰخِرَةَ وسَعَىٰ لَهَا سَعيَهَا وَهُوَ مُؤمِنٌ فَاُلٰئِكَ كَانَ سَعيُهُم مَشكُوراً (بنی اسرائیل/۱۹۔۱۸)

جوکوئی عاجلہ کا خواہش مند ہو اسے ہم یہیں دے دیتے ہیں جو کچھ بھی جیسے دینا چاہیں پھر اس کے مقسوم میں جہنم لکھ دیتے ہیں جسے وہ پائے گا ملامت زدہ اور رحمت سے محروم ہو کر۔ اور جو آخرت کا خواہش مند ہو اس کے لئے سعی کرے جیسی کہ اس کے لئے سعی کرنی چاہئے اور وہ مومن ہو تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہوگی۔

مَن كَانَ يُرِيدُالحيٰوةَ الدنيا وزِينَتَهَا نُوفِ اِلَيهِم اَعمَالَهُم فيهاوَهُم فِيهَا لَا يُبخسونَ اُولٰئِكَ الَّذِينَ ليسَ لَهُم فِي الاٰخِرَةِ اِلَّا النَّار وَحَبِطَ مَاصَنَعُوا فِيها وبٰطِلٌ مَّا كانُوا يَعمَلُونَ (ہود/۱۶۔۱۵)

جولوگ بس اس دنیا کی زندگی اور اس کی خوشنمائیوں کے طالب ہوتے ان کی کارگذاری کا سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی ہے مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لئے آگ کے سوا کچھ نہیں ہے (وہاں معلوم ہوجائے گا) کہ جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا وہ سب ملیا میٹ ہو گیا اور اب انکا سارا کیا دھرا محض باطل ہے۔

اللہ کے فضل عام سے دنیا پرستوں اور آخرت کے طلبگاروں دونوں ہی کو سامان زیست مل رہا ہے۔ مَانَشَا لِمَنْ نُرِيْدُ سے یہ بات صاف طور سے واضح ہوتی ہے کہ دنیا پرستوں اور دنیا کے طالبوں کو جو کچھ ملتا ہے وہ اللہ کی حکمت اور ضابطے کے تحت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کے بارے میں جتنے کا چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے اور اس کو اتنی ہی مقدار میں دنیا سے حصہ ملتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ آدمی کی اپنی کوشش پر منحصر ہے کہ وہ اسباب ووسائل دنیا سے جتنا چاہے سمیٹ لے۔ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ آخرت کے لئے جتنی مطلوب اور جس طرح مطلوب کوشش درکار ہے اگر اسی طرح کی کوشش کی جائے اور اس کے شایانِ شان عملی جدوجہد کی جائے اور ساتھ میں ایمان بھی ہو یعنی یہ کوشش اور جدوجہد خالص اللہ کے لئے ہو اور اس میں ذرہ برابر شرک وریا کا شائبہ تک نہ ہو تو وہ جدوجہد اور کوشش اس لائق ہوگی کہ مشکور ہو۔ ایمان کے بغیر کوئی عمل آخرت میں قابل قبول نہ ہوگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ صرف ایمان کے زبانی دعوؤں سے جنت نہیں ملے گی بلکہ اس کے لئے کوشش کا ہونا ضروری ہے یعنی اصولی طور پر آخرت کی کامیابی کے لئے ایمان اور عملی جدوجہد دونوں ضروری ہیں۔ بغیر کوشش اور جدوجہد کے صرف زبانی اقرار کا کوئی وزن نہیں۔

مومن کا مقصد زندگی: مومن کی زندگی کا مقصد عذاب جہنم سے نجات، گناہوں سے مغفرت، جنت کا حصول، اللہ کی رضا اور تقرب الی اللہ ہونا چاہئے اور اس کی ساری دوڑ دھوپ اسی کے حصول پر مرکوز ہونا چاہئے۔ قرآن مجید نے اس طرف بار بار توجہ دلائی ہے اور اس بات پر ابھارا ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے انسان کو ہمہ آن کوشاں رہنا چاہئے۔ یہی ایک ایسی چیز ہے جس میں مسابقت اور ایک دوسرے آگے بڑھ جانے کی کوشش کی جانی چاہئے۔ بلاشبہ رضاء الٰہی کا حصول اور آخرت کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ (آل عمران/۱۳۳)

دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کیطرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین وآسمان جیسی ہے جو متقین کے لئے تیار کی گئی ہے۔

سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (الحدید/۲۱)

ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کے لئے جس کی وسعت آسمانوں وزمین جیسی ہے جو مہیا کی گئی ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں۔

فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰه (الذاریات/۵)

پس دوڑو اپنے اللہ کی طرف

ان آیات میں اپنے رب کی مغفرت چاہنے اور جنت کے حصول کے لئے مسابقت اور مسارعت کا حکم دیا گیا ہے۔ ان آیات سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ جنت متقی، فرمانبرداروں اور اطاعت گذاروں کے لئے تیار کی گئی ہے، جنت ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں اور پھر ان کی پوری زندگی اس بات کی شہادت دے کہ انہوں نے ایمان کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش بھی کی اور ان سب کا مطلوب ومقصود صرف اللہ کی رضا کا حصول رہا۔

لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ۔ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا (النساء/۱۱۴)

لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثر وبیشتر کوئی بھلائی نہیں ہوتی ہاں اگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ وخیرات کی تلقین کرے یا کسی نیک کام کے لئے یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لئے کسی سے کچھ کہے تو یہ البتہ بھلی بات ہے اور جو کوئی اللہ کی رضا جوئی کے لئے ایسا کرے گا اسے ہم بڑا اجر عطا کریں گے۔

وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد/۲۲)

انکا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنے رب کی رضا کے لئے صبر سے کام لیتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے علانیہ اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں، اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لئے ہے

تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔ (الفتح/۲۹)

جب تم دیکھوگے انہیں رکوع وسجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔

مومن کی تمام تر بھاگ دوڑ اور جدوجہد کا مقصد وحید صرف اور صرف رضاء الٰہی کا حصول ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى (اللیل/۱۹۔۲۰)

اور جس کی کسی پر کوئی عنایت کے بدلے نہیں بلکہ صرف اپنے خدائے برتر کی خوشنودی کے لئے۔

وہ ایسا اس لئے کرتا ہے کہ دراصل مومن کو اپنے سارے کاموں کا محرک رضاء الٰہی کو بنانے کا حکم دیا گیا۔

وَمَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ (الحدید/۲۷)

ہم نے ان کے اوپر صرف اللہ کی خوشنودی کی طلب فرض کی تھی

دنیا کی زندگی کے متعلق مومن کا نقطۂ نظر:

ایک مومن کا رویہ اس دنیوی زندگی میں ایک مسافر کا سا ہوتا ہے۔ مسافر اپنی منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے ایک لمبی مسافت طے کرتا ہے اور دوران

سفر بے شمار نئے نئے مقامات سے گذرتا ہے، اس کے سامنے نئے نئے مناظر آتے ہیں، نئے نئے لوگوں سے اس کا واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن ان چیزوں کو وہ اپنے پاؤں کی بیڑی نہیں بننے دیتا۔ راستے میں پڑنے والے مناظر کی دلفریبیوں کو وہ واپنا راستہ کھوٹا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ راستے میں آنے والے پڑاؤ پر ٹھہرتا ضرور ہے لیکن صرف دم لینے کے لئے، آگے کے سفر کے لئے اپنی قوتوں کو مجتمع کرنے کے لئے۔ اسی طرح ایک مومن دنیا میں اپنے چند روزہ قیام کو حالت سفر میں سمجھتا ہے جس کی منزل آخرت ہے۔ چنانچہ وہ یہاں عیش اور آرام میں مگن نہیں ہوتا بلکہ اس کی نگاہیں ہمیشہ آخرت اور اس کی لازوال نعمتوں پر جمی رہتی ہیں۔ اس کی ساری جدوجہد آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ جس طرح ایک قیدی قید میں بے قرار اور بے آرام رہتا ہے اور قید خانہ کو اپنی مستقل جاءِ قیام سمجھ کر مطمئن نہیں ہو جاتا بلکہ وہ ہمہ آن وہاں سے رہائی اور اپنی اصل قیام گاہ کو واپسی کے لئے بے قرار رہتا ہے یہی حال دنیا میں مومن کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْکَافِرِ (مسلم)	دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے

جس طرح جیل میں قیدی پر بہت سی پابندیاں عائد ہوتی ہیں اور وہ وہاں اپنی ہر خواہش پوری نہیں کر سکتا اسی طرح سے ایمان لانے کے بعد انسان شتر بے مہار کی سی اور من چاہی زندگی نہیں گذار سکتا ہے بلکہ اس کو شرعی پابندیوں کا پابند ہونا پڑتا ہے، ہر کام کرنے سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اس معاملے میں کیا حکم دیا ہے۔ ان احکام کی پابند زندگی کو اللہ کے رسولؐ نے قید خانے سے تعبیر کیا ہے کیونکہ مومن دنیا میں بے لگام زندگی نہیں گذار سکتا ہے۔ نیز اللہ نے مومن کی منزل کو جنت کو قرار دیا ہے اور اس کو مشکلات و مکارہ سے گھیر رکھا ہے، مومن کو وہاں تک پہونچنے کے لئے ان تکالیف کو برداشت کرنا پڑے گا۔

اس کے برعکس کافر اپنے آپ کو بالکل آزاد سمجھتا ہے، اپنی خواہشات کی

تکمیل میں حرام وحلال کی حد بندیوں کا پابند نہیں ہوتا، اس کی ساری دوڑ دھوپ اس دنیا کو بنانے اور یہاں کی لذت کو حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے چنانچہ عملاً یہ دنیا ہی کافر کی جنت قرار پائی۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِمَنْكِبِي فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْعَابِرُ سَبِيْلٍ (بخاری: ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے میرے کندھے کو پکڑا اور فرمایا کی دنیا میں اس طرح زندگی کے دن گذار گویا تم اجنبی ہو یا مسافر

مسافر اپنے سفر کے دوران صرف بقدر ضرورت سامان ساتھ رکھتا ہے اور اسباب عیش اکٹھا کرنے کی فکر نہیں کرتا، وہ سفر کی زحمتوں کو گوارا کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ ایک مومن کی روش اس دنیا میں اسی طرح کی ہوتی ہے، وہ فانی دنیا کے فنا ہونے والے اسباب عیش وآرام اور لذات کو اکٹھا کرنے میں مشغول نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ آخرت کو پیش نظر رکھتا ہے اور اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ درحقیقت عقل مند وہی شخص ہے جو زیادہ نفع بخش چیز پر نگاہ رکھے۔ دنیا کی زندگی دراصل چند روزہ ہے جبکہ آخرت کی زندگی ابدی۔ لہذا عقلمندی اسی میں ہے کہ انسان اس دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دے۔

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الموتِ (ترمذی)

نبی کریمؐ نے فرمایا دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو اللہ کی فرمانبرداری پر مجبور کردے (اسے برے کاموں سے روکے اور اس کی نگرانی کرے) اور ایسے عمل کرے جو مرنے کے بعد کام آئیں۔

☆/☆